الطاف احمد اعظمی

قرآن کی وجہ تسمیہ

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کی طرف سے جو کتابیں انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف زمانوں میں بھیجی گئیں ان کا کوئی نہ کوئی نام یقیناً رہا ہوگا۔ لیکن آج یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ وہ نام کیا تھے۔ جن مذہبی کتابوں کے نام محفوظ رہ گئے ہیں ان میں تورات، زبور اور انجیل ہیں جو بالترتیب حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو دی گئی تھیں۔ ان کتابوں کے یہ نام قرآن میں آئے ہیں۔ تورات کے معنی کتاب یعنی شریعت، زبور کے معنی مناجات اور انجیل کے معنی بشارت کے ہیں۔ یہ نام ان کی معنوی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ تورات میں شرائع کا ذکر ہے، انجیل میں آخری رسول کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اور زبور میں خدا کی حمد پر مشتمل نغمات ہیں۔ حضرت داؤد بڑے خوش الحان تھے۔ جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کے دلی جوش، جذبۂ صادق اور خوش آوازی کی وجہ سے شجر و حجر اور پرندے تک وجد کرنے لگتے تھے۔ (سورۂ سبا۔ ۱۰)

ان آسمانی صحائف کی طرح آخری صحیفۂ ہدایت کا بھی نام رکھا گیا اور وہ قرآن ہے۔ بہت سے اہلِ علم کا خیال ہے کہ ابتدا میں اس کتاب کا نام کچھ اور تھا۔ روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن مجید جمع کرایا تو اس کے نام کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ کسی نے کہا کہ اس کے پاروں کو انجیل کہا جائے، لیکن اس رائے کو پسند نہیں کیا گیا۔ کسی نے کہا کہ اس کو یہود کے سِفر ہائے پنجگانہ کی طرح سِفر کہا جائے۔ یہ بات بھی قابلِ قبول نہ ٹھیری۔ آخر کار عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ حبشہ کی مہاجرت کے زمانے میں، میں نے ایک کتاب دیکھی جس کا نام مصحف

۱؎ کتب سماویہ کے لیے قرآن مجید میں جو مشترک لفظ استعمال ہوا ہے وہ 'صحف' ہے جو صحیفہ کی جمع ہے، مثلاً صحفِ ابراہیم و موسیٰ

تھا۔اس خیال کو سب نے پسند کیا اور قرآن مجید کا نام مصحف[1] رکھ دیا گیا[2]۔

اگرچہ اس روایت کی اسناد منقطع ہیں لیکن اس مضمون کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعِ قرآن سے پہلے اس کا کوئی نام نہیں تھا۔مجموعۂ وحی متفرق سورتوں کی شکل میں تھا اور جب ان کو جمع کیا گیا تو اس کا نام مصحف رکھا گیا[3]۔راقم کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔قرآن میں اس امر کے شواہد کثرت سے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نام شروع سے قرآن تھا۔اس سلسلہ میں درج ذیل آیات حجّت قطعی کی حیثیت رکھتی ہیں:

(۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ. (سورۂ بقرہ:۱۸۵)

(۲) وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ. (توبہ:۱۱۱)

(۳) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ. (اسرائیل:۸۸)

(۴) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا. (سورۂ محمد:۲۴)

(۵) فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا. (سورۂ جن:۱)

(۶) فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. (سورۂ نحل:۹۸)

(۷) یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ. (سورۂ یٰسین:۱،۲)

(۸) فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. (سورۂ مزمل:۲۰)

یہ نام یعنی قرآن، نہ صرف اہلِ ایمان کے درمیان معروف تھا بلکہ کفارمکہ بھی اس کو اسی نام سے جانتے تھے جیسا

(النجم:۳۶)،صحفِ اولیٰ (طٰہٰ:۱۳۳)،صحف مکرّمہ (عبس:۱۳)،صحف مطہّرہ (سورۂ بیّنہ:۲) اور صحف منشّرہ (مدثر:۵۲)۔ صحیفہ اس چیز کو کہتے ہیں جو پھیلی اور کشادہ ہو۔اسی لیے صفحہ کو بھی جس پر لکھا جاتا ہے، صحیفہ کہتے ہیں۔نامہ کو بھی صحیفہ کہا جاتا ہے (سنن ابی داؤد، باب الزکوٰۃ، ومسند ابن حنبل ۴/۱۸۱)۔مجموعہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ کے مجموعۂ حدیث کو جسے ھمام بن منبہ (متوفی ۱۰۱ھ) نے نقل کیا ہے، صحیفۂ ابوہریرہ کہا جاتا ہے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لکھے ہوئے صحائف کے مجموعہ کو جو دو جلدوں میں ہو مصحف کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مصاحف ہے۔لیکن بعض اہل علم کی رائے میں مصحف اور صحیفہ ہم معنی ہیں، یعنی لکھی ہوئی چیزوں کے مجموعہ کو مصحف یا صحیفہ کہا جاتا ہے۔شعرائے جاہلیت نے اپنے کلام میں اسفارِ نصاریٰ کو مصاحف کے نام سے موسوم کیا ہے۔مثلاً امرأالقیس کہتا ہے:

اتت حجج بعدی علیه فاصبحت   کخط زبور فی مصاحف رهبان

۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، امام جلال الدین سیوطی، ج۱،ص۱۸۴، وتاریخ الرسل والملوک ،طبری،ص ۱۹۱۹

۳۔ تفسیر طبری (جامع البیان)، محمد بن جریر طبری، ج۱،ص۲۰،مزید دیکھیں، بخاری (فضائل القرآن)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کہ اس آیت سے بالکل واضح ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ. (سورۂ یونس:۱۵)

''وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے (تم سے) کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔''

ان آیات کی موجودگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ گمان مشکل ہے کہ جمعِ وحی کے وقت اس کے نام کے متعلق صحابہ کے درمیان کوئی اختلاف واقع ہوا تھا۔ مذکورہ روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا نام مصحف اس کی سورتوں کی جمع وترتیب کے اعتبار سے رکھا گیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن کو دوبارہ جمع کیا گیا اور اس کی نقلیں تیار کرا کے ممالکِ مفتوحہ میں بھیجی گئیں تو اس کا نام 'مصاحفِ عثمانی' پڑ گیا۔ اس کے علاوہ جن صحابہ نے ذاتی طور پر اپنی تلاوت کے لیے اس کو لکھا اور اپنے پاس رکھا ان کے نسخوں کا نام بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہو کر مصحف کہلایا، مثلاً مصحفِ ابی بن کعب وغیرہ۔

لیکن روایت کرنے والے نے اس کو اس طرح بیان کیا گویا جمعِ قرآن سے پہلے اس کا کوئی نام ہی نہ تھا۔ بہر حال اوپر کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ آخری صحیفۂ ہدایت کا نام ابتدا سے قرآن تھا اور یہی اس کا اصلی نام ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

مادۂ اشتقاق اور لغوی معنی

جہاں تک قرآن کے مادۂ اشتقاق اور اس کے لغوی معنی کا تعلق ہے، اس کے بارے میں بہت پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ عبد اللہ ابن عباسؓ (م ۶۸ھ) کا ایک قول ہے کہ قرآن 'رجحان' کے وزن پر قرأت (قرء یقرء) سے مصدر ہے، پڑھنے کے معنی میں۔ اور دوسرا قول ہے کہ اسم ہے، یعنی وہ چیز جو پڑھی جائے (ما یقرأ)۔

قتادہ جو تابعین کے طبقۂ دوم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا قول ہے کہ قرآن مصدر ہے قَرَءَ سے (باب نصر و فتح)، جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ عرب جب کسی چیز کو یکجا کرتے اور ایک حصے کو دوسرے حصے کے ساتھ ملا کر اس میں مقداری اضافہ کرتے تو کہتے تھے: قرأت الشئ قرآنا ''میں نے اس میں کچھ اضافہ کیا۔ عمر بن کلثوم تغلبی (م ۴۰ ق ھ) جو عہد جاہلی کا ایک مشہور شاعر ہے، اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

ذراعیُ عیطلٍ إدماءَ بکرٍ   هِجان اللّون لم تقرأ جنينا

''میرے دونوں بازو خوبصورت اور سفید ہیں، اس جوان اونٹنی کے دست و بازو کی طرح جس نے ابھی تک

(اپنے رحم میں) کسی جنین کو جمع نہیں کیا ہے (یعنی اس نے ابھی تک کوئی بچہ جنا نہیں ہے، خوب فربہ ہے)۔''

لیکن اکثر علما اور مفسرین نے ابن عباسؓ کے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، یعنی قرآن بمعنی قرأت ہے۔ اس سلسلے میں علما لغت اور فقہاء و متکلّمین نے جو کچھ لکھا ہے اس کو مختصراً یہاں لکھا جاتا ہے۔

زجّاج (م ۳۱۱ھ) نے لکھا ہے کہ قرآن مہموز ہے اور 'فعلان' کے وزن پر (مثل غفران) القرء سے مشتق ہے اور اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: قُرء الماءُ فی الحوض ''حوض میں پانی جمع ہو گیا۔'' جوہری (م ۳۹۳ھ) اور اس سے پہلے سفیان بن عینیہ (م ۱۹۸ھ) نے بھی قرآن کے یہی معنی بیان کیے ہیں[۴]۔

لحیانی (م ۲۱۵ھ) نے لکھا ہے کہ قرآن مصدر مہموزی ہے، رجحان اور غفران کے وزن پر اور 'قرء' سے مشتق ہے، بمعنی 'تلا' یعنی پڑھنا۔ چوں کہ مفعول کو مصدر بھی کہہ دیے ہیں، مثلاً مکتوب کو جو لکھا ہوتا ہے کتاب کہا جاتا ہے، اسی طرح 'مقروء' سے قرآن ہو گیا[۵]۔

فراء (م ۲۰۷ھ) کا قول ہے کہ قرآن قرائن سے جو قرینہ کی جمع ہے، مشتق ہے، اس لیے کہ ایک پارہ کی آیات دوسرے پارہ کی آیات سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اور یہ لفظ دراصل بغیر ہمزہ کے ہے۔ قرطبی (م ۶۷۱ھ) اس قول کے حامی ہیں لیکن زجاج اور ابوعلی فارسی (م ۳۷۷ھ) اس قول کے منکر ہیں۔

بعض دوسرے علما لغت نے بھی اسے بغیر ہمزہ کے مانا ہے لیکن اسے 'قری' سے مشتق بتایا ہے، بمعنی ضیافت و مہمانی، یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا خوانِ نعمت ہے کہ ہر شخص بقدر ظرف و استعداد اس سے بہرہ مند ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انّ ھذا القرآن مائدۃ فخذوا منہ ''یہ قرآن ایک بچھا ہوا دستر خوان ہے، اسے لے لو۔''[۶]

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے کہ امام شافعی (م ۲۰۴ھ) اسماعیل بن قسطنطین (معروف بہ قسط) سے قرآن پڑھتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ لفظ قرآن اسم ہے، مہموز نہیں، یعنی یہ قرأت سے مشتق نہیں ہے۔ اگر قرأت سے مشتق ہوتا تو جو کچھ پڑھا جا چکا ہوتا وہی قرآن کہلاتا۔ امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے بھی لکھا ہے کہ امام شافعی قرآن کو اسمِ غیر مہموز قرار دیتے تھے، یعنی یہ کسی لفظ

---

۴ البرہان فی علوم القرآن، علامہ بدرالدین زرکشی، ج ۱، ص ۲۷۷، والاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۵۱

۵ تفسیر طبری، ج ۱، ص ۳۳

۶ سنن دارمی (فضائل القرآن)، ص ۱

۷ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ج ۲، ص ۶۲، البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۷۸، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۵۱

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے مشتق نہیں، بلکہ کلام الٰہی کا ایک خاص نام ہے۔ علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اور امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) اسی خیال کو درست سمجھتے تھے[7]۔

امام اشعری (۳۲۴ھ) اور ان کے متّبعین کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن 'قـ ر ن' سے مشتق ہے۔ عرب جب کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑتے تھے یعنی ضمیمہ کرتے تھے تو کہتے تھے: قرنت الشئ بالشئ۔ اس لحاظ سے سورتوں اور ان آیات کی جمع وتالیف کو بھی قرآن کہتے ہیں، بالفاظ دیگر جب آیات قرآن کو ایک دوسرے کے ساتھ مقرون کرتے ہیں تو اس کے مجموعہ یا اس کے اجزاء کو قرآن کہتے ہیں[8]۔ اس میں نون لفظ کے اصلی حروف کا جزء ہوگا اور ہمزہ ممدودہ زائدہ۔ اس صورت میں قرآن کا تلفّظ بغیر ہمزہ کے کیا جائے گا[9]۔

قرآن میں اس لفظ کے استعمالات

قرآن کی مختلف سورتوں میں یہ نام یعنی قرآن نحوی اعتبار سے ۶۸ مرتبہ آیا ہے، پچاس بار بصورت معرفہ یعنی الف لام تعریف کے ساتھ اور سولہ بار بغیر تعریف کے۔ ان مقامات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا مادہ 'قـ ر ء' ہے جس کے اصل معنی تو جمع کرنے کے ہیں لیکن ثانوی معنی پڑھنے کے ہیں۔ پڑھنے کا عمل دراصل حروف وکلمات اور جملوں کو جمع کرنے کا عمل ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے ملائے بغیر پڑھا نہیں جا سکتا ہے۔ اسی ثانوی معنی میں فرمایا گیا ہے: اَقِمِ الصّلٰوۃ لدلوکِ الشمس الیٰ غسقِ الّیل و قراٰن الفجر ان قراٰن الفجر کان مشھودا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۸) ''نماز قائم کرو زوالِ آفتاب کے وقت سے لے کر شب کے تاریک ہونے تک اور خاص کر فجر کی قرأت کا (اہتمام کرو)، بے شک فجر کی قرأت میں (دل و دماغ کی) حضوری ہوتی ہے''۔ اسی معنی میں حسان بن ثابتؓ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

ضحوا بأشمط عنوان السجود بہ　　یقطع اللیل تسبیحا و قرآنا

اس شعر میں واضح طور پر قرآن کو پڑھنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ''قرء'' کے اصلی معنی جیسا کہ اوپر

۸۔ قرآن، مقارنت اور وصل کے معنی میں ہے۔ جس وقت دو ستارے ایک برج میں جمع ہو جاتے ہیں تو اس اجتماع کو علم النجوم کی اصطلاح میں قران کہا جاتا ہے۔ فقہ میں حج و عمرہ کو ایک ساتھ جمع کرنے کو حجِّ قران کہتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد کسی دوسری سورہ کے ملانے کو بھی قران کہا جاتا ہے۔

۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، تاریخ قرآن، ڈاکٹر محمود رامیار، ص ۹ تا ۲۰

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ذکر ہوا، جمع وتالیف کے ہیں۔ متعدد علماءِ لغت ونحو کے اقوال سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اس بارے میں قرآن کی ایک آیت بڑی اہمیت رکھتی ہے جس میں جمع و قرآن کے الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے ہیں، فرمایا ہے:

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (سورۂ قیامہ:۱۶-۱۹)

عام طور پر علماء ومفسرین نے اس آیت کے فقرہ 'جمعه' میں جمع سے ایک سورہ میں آیتوں کو جمع کرنا مراد لیا ہے[۱۰]، لیکن راقم کو اس سے اختلاف ہے۔ اس آیت کا پہلا فقرہ "لا تحرك به لسانك لتعجل به" بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنی زبان کو اس لیے جلدی جلدی گردش دیتے تھے کہ اسے یاد کرلیں، اس وحی کو ان کے سینے میں جمع کر دینا ہماری ذمہ داری ہے، پھر وہ اس کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

سنقرئك فلا تنسىٰ. الا ماشاء الله.

(سورۂ اعلیٰ:۶)

اسی طرح اکثر علماء نے 'قرانه' میں قرآن کو پڑھنے کو معنی میں لیا ہے، جس کی وجہ غالباً سورۂ بنی اسرئیل کی آیت ۷۸ ہے جس میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی یہی معنی لکھے ہیں:[۱۱]

> وقرانہ یعنی توفیق دہیم قرآءِ امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را وعوام ایشان را بر تلاوت آن تا سلسلۂ تواتر از ہم گسستہ نشود، خدائے تعالیٰ می فرمایند کہ درفکر مباش کہ قرآن از دل تو فراموش شود ومشقت تکرار آن مکش[۱۲]

> ''اور 'قرانہ' کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی امت کے قاریوں اور عام لوگوں کو اس کی تلاوت کی توفیق عطا کریں گے تاکہ سلسلۂ تواتر ٹوٹنے نہ پائے۔ اور خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس کی ذرا بھی فکر نہ کرو کہ قرآن تمہارے دل سے فراموش ہو جائے گا۔ اس لیے اس کی تکرار کی مشقت نہ اٹھاؤ''

۱۰؎ شاہ صاحب نے لکھا ہے: ان علینا جمعہ آن ست کہ لازم است وعدۂ جمع کردن قرآن بر ما در مصاحف، ''ان علینا جمعه کے معنی یہ ہیں کہ مصاحف میں قرآن کو جمع کرنے کا وعدہ ہم پر لازم ہے۔'' (ازالۃ الخفاء، ج۱، ص۳۹)

۱۱؎ ازالۃ الخفاء، ج۱، ص۳۹

۱۲؎ اس اقتباس کے آخری دو جملوں کا تعلق دراصل 'ان علینا جمعه' سے ہے جسے شاہ صاحب نے 'قرانہ' سے جوڑ دیا ہے جو ظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔

’قرانہ‘ کی یہ تشریح محلِ نظر ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن کی آیات مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کی گئی تھیں۔ ان متفرق آیات کو ایک سلسلۂ نظم میں پرونا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اسی مسئلہ کے حل کے لیے ’قرانہٗ‘ کا فقرہ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متفرق آیات کو ایک سورہ میں ایک خاص نظم وترتیب سے اکٹھا کر دینا کہ کہیں سے کوئی ادنیٰ معنوی خلل واقع نہ ہو، خدا کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ثم اِنَّ علینا بیانہ ’’پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت‘‘، یعنی صرف متن کی حفاظت ہی اللہ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کے معنی کی وضاحت وتفصیل کر کے اس کو معنوی تحریف سے محفوظ رکھنا بھی اس کی ذمہ داری میں داخل تھا۔ الحمدللہ، یہ تینوں وعدے اس طرح پورے ہوئے کہ آج دنیا اس کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہے۔

تاریخ کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اُمّتیوں کی طرح قرآن مجید کو حفظ کرنے کی مشقت نہیں اٹھائی۔ ادھر جبرئیلؑ نے وحی سنائی اور ادھر وہ لوحِ حافظہ پر نقش کالحجر ہوگئی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق متفرق آیات کو سورتوں کے اندر اس درجہ منظّم صورت میں رکھا گیا کہ کہیں سے کوئی معنوی بے ربطی پیدا نہیں ہوئی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تیسرا وعدہ یعنی ’ان علینا بیانہ‘ اس طرح پورا ہوا کہ آج قرآن دنیا کی واحد مذہبی کتاب ہے جو اپنے متن کی خود شارح ہے۔ اس میں دین کے اساسی موضوعات سے متعلق مجمل آیات کی تفصیل اور مشکل مضامین کی توضیح اور تشریح طلب الفاظ کی معنوی شرح کا عجیب وغریب اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن متن اور شرح کے اختلاط کے باوجود نظم کلام میں کہیں بھی کسی نوع کا انتشار پیدا نہیں ہوا ہے اور یہ بلاشبہ قرآن کا اعجاز بلکہ بہت بڑا اعجاز ہے۔

’جمعہ و قرانہ‘ کی اس معنوی وضاحت کے مطابق سورۂ قیامہ کی زیرِ بحث آیات کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ

’’اے نبی تم وحی کو یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو جلدی جلدی گردش نہ دو، اس کو جمع کرنا (یعنی تمھارے سینے میں اس کو جمع کرنا، یاد کرا دینا) اور اس کی ترتیب وتالیف (یعنی متفرق آیات کو ایک سورہ کے اندر حکیمانہ طور پر مرتب کر دینا) ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اس کو ایک ترتیب سے اکٹھا کر دیں تو تم اس جمع وترتیب کی پیروی کرو، (یعنی اسی کے مطابق اس کی تلاوت کرو اور مومنین بھی کہ اس کی تلاوت کریں اور اس کو حفظ کریں)، اور ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی تفصیل ووضاحت۔‘‘

قرآن کے مادۂ اشتقاق کی مذکورہ بالا تفصیلی بحث کی روشنی میں ہم اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آخری صحیفۂ ہدایت کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا کہ اس کے اندر حروف وکلمات، آیات اور سورتیں ایک خاص نظم وترتیب کے ساتھ جمع ہیں۔ اس کے علاوہ گزشتہ آسمانی صحیفوں کے اندر جو خدائی احکام اور حقائق ومعارف پراگندہ یا محرف حالت میں تھے یا

جن کو ان کے حاملین نے بھلا دیا تھا، ان سب کو اس آخری مجموعۂ ہدایت کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (مائدہ ۵: ۴۸)۔ اس کے علاوہ آیندہ نسل انسانی کو جو ضروری ہدایات درکار تھی وہ بھی اس میں فراہم کر دی گئی ہیں۔

اس پہلو سے دیکھیں تو اس کتاب کا نام ہی اس کے اعجاز کی دلیل ہے۔ آیات کا مختلف اوقات میں نجماً نجماً نازل ہونا اور پھر ان کو ترتیب نزولی کا لحاظ کیے بغیر ایک سورہ کے اندر اس طرح رکھ دینا کہ ہر آیت دوسری آیت سے گہری معنوی مناسبت رکھتی ہو، کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کے علاوہ گزشتہ تمام مذہبی صحیفوں کی بنیادی تعلیمات کو پوری صحت کے ساتھ اس کے اندر محفوظ کرنا بھی انسانی قدرت سے خارج ہے۔ اور ایک اُمی انسان سے تو اس کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com